بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

اشارات

گذری ہوئی تاریخ کے کچھ اوراق سامنے رکھ کر، یا جغرافیائی طور پر دور پار کے کچھ ممالک کے حالات جان کر یہ اندازہ کیا جاتا تھا کہ روسی جارحیت اور سوشلزم کے خونخوارانہ انقلاب کا عمل کس طرح ہوتا ہے۔ مگر آج ہم پڑوسی برادر ملک میں یہ سب کچھ ہوتا ہوا اس طرح دیکھ رہے ہیں جیسے اپنے گھر کی چھت سے ساتھ کے آنگن میں مار دھاڑ دیکھی جا رہی ہو۔

برطانیہ جب تک برصغیر میں رہا اُس نے اپنی ڈپلومیسی سے افغانستان کو ایک محفوظ حاجب سٹیٹ کی طرح قائم رکھا۔ بلکہ برصغیر سے چلے جانے کے بعد بھی اس کی سیاستِ خارجہ کی آنکھ افغانستان پر رہی۔ اور وہ ایسی تدبیریں اختیار کرتا رہا کہ روس افغانستان کو ایک آزاد و خود مختار ملک کی حیثیت سے علی حالہا رہنے دے۔ مگر جنگی، سفارتی اور تجارتی مہارتوں سے قائم شدہ یہ توازن ٹوٹ گیا۔

روس نے افغانستان سے دوستی کے تعلقات بڑھائے، اُسے کچھ امداد دی جاتی رہی۔ امداد کے ساتھ روسی ماہرین بھی آئے جن میں کمیونزم کے نقیب بھی تھے اور وہ تعلیم یافتہ نوجوانوں پر اثر انداز ہوتے رہے، اور کچھ جاسوس بھی ہو سکتے ہیں جو افغانستان کی حکومت، اس کے نظم و نسق اور اس کی فوج اور عوام کے بارے میں کریملن کو ضروری معلومات بہم پہنچاتے رہے ہوں۔

روس کو جب کوئی کارروائی کرنی ہوتی ہے تو وہ بالعموم دوستی کے راستے ہی کی جاتی ہے۔ اسی دوستی کے ماحول میں وہ انقلاب اُٹھوا کر ظاہر شاہ کو رخصت کیا گیا اور سردار داؤد آ گئے۔ سردار داؤد کو روس نے مرغِ دست آموز بنانے کی کوشش کی، مگر جادو نہیں چلا۔ نتیجہ یہ کہ سردار داؤد اور

اس کا خاندان ایک دن اچانک اپنے خون کے سیلاب میں بہہ گئے۔ تزہ کی آئے، وہ بھی مطمئن نہ کر سکے، ان کا بھی خاتمہ ہو گیا۔ پھر حفیظ اللہ امین آئے۔ وہ بھی کارآمد نہیں نکلے۔ لہٰذا انقلاب نے انہیں بھی موت کے حوالے کر کے کرسی اقتدار پر ببرک کارمل کو لا بٹھایا۔

بیس ماہ میں تین خونریز محلاتی انقلاب!

اور دوسری طرف وزیروں، سرکاری افسروں، ملازموں، استادوں اور وکلاء اور ائمہ اور خطیبوں اور قبائلی سرداروں کی صفیں مسلسل گولیوں کا نشانہ بنائی جاتی رہیں۔ ادھر عوام کی بھاری اکثریت بے سروسامانی کے باوجود اول روز ہی سے اشتراکی لادینیت کے خلاف اُٹھ کھڑی ہوئی۔ اس نے بڑے شہروں کے آس پاس کے علاقوں کے علاوہ سرزمین افغانستان کا بڑا حصہ قبضے میں لے لیا۔ سرکاری اسلحہ چھین چھین کر فوج سے لڑتے رہے۔ پھر فوج کی ٹولیاں بھی اُن سے جا کر ملنے لگیں۔ ادھر چار لاکھ سے زیادہ مہاجرین ایمان اور آزادی اور آبرو کو بچانے کے لیے پاکستان میں پناہ گزیں ہیں۔ حکومت کے پاس اب فوج کا نصف حصہ رہ گیا ہے۔ یہ صورت اگر چند سے اور رہتی تو کسی بیرونی امداد کے بغیر بھی غیور پٹھان اشتراکی اقلیت کے تسلط کو ختم کرنے میں کامیاب ہو جاتے۔

اس نازک مرحلے پر کمیونسٹ اقلیت کے تسلط اور اس کے وجود کو افغانستان میں بچانے اور مستحکم کرنے کے لیے روسی فوجیں ٹوٹ پڑیں۔ دس بیس ہزار نہیں، قریباً ایک لاکھ سپاہ بکتر بند گاڑیوں، راکٹوں، مِگ انجنوں، نیپام بموں، جدید ترین ہوائی جہازوں اور ہیلی کوپٹروں کے ساتھ افغانستان میں پھیل گئی ہے، جیسے گھاس کی ہر پتی اور پتھر کے ہر سنگ ریزے سے لڑائی لڑنی ہے۔ افغانستان جیسے ملک میں ایسی بھاری فوجی قوت کا داخلہ یہ بتاتا ہے کہ کامل غارت گری مطلوب ہے ـــ افغان عوام کی بھی، اور اسلام کی بھی!

کہا جاتا ہے کہ یہ جارحیت نہیں ہے، ہم لوگ تو افغانستان کی دعوت پر غیر ملکی مداخلت کے خلاف کارروائی کرنے کے لیے آئے ہیں؟

اچھا تو آپ کو بلانے والا کون تھا؟ کہتے ہیں کہ کوئی ٹیلیفونی پیغام حفیظ اللہ امین کی طرف سے دیا گیا تھا۔ یہ اگر درست ہے تو آپ نے خود حفیظ اللہ امین کو کیا تحفظ دیا جس کی دعوت پر امداد کرنے

آئے تھے؟ کیا حفیظ اللہ امین کا خاتمہ اس کی دلیل نہیں ہے کہ وہ خود ایک غیر ملکی مداخلت کا شکار ہوا۔ اور وہ مداخلت روسی ہی تھی۔

یہ بھی کہا جاتا ہے کہ دعوت انقلابی کونسل نے دی تھی۔ انقلابی کونسل کی ماہیت ذرا بیان فرمایئے اس میں مختلف صوبوں اور دیہاتی عوام کی نمائندگی کہاں تک تھی۔ اسے کیا قوم نے خود تشکیل دیا تھا؟ کیا اس میں تمام نقطہ ہائے نظر کے لوگ شامل تھے؟ کیا وہ شہریوں کی اکثریت کا اعتماد رکھتی تھی یا وہ اشتراکی اقلیت کی قائم کردہ اور اشتراکی اقلیت کا اقتدار ملک پر مسلط کرنے کے لیے تشکیل پائی تھی؟ اگر ایسا تھا تو کیا کسی بھی مہذب حکومت کا یہ کام ہے کہ وہ کسی جبری اور خون ریز طریقوں سے اقتدار پر قبضہ کرنے والی اقلیت کو اس غرض کے لیے مدد دے کہ وہ اکثریت کو اپنا شکار بنا سکے؟ باری باری جبری طور پر حکمرانی کرنے والے پرچمی اور خلقی کمیونسٹوں کی مجموعی تعداد کیا اُن مہاجرین کے بھی برابر ہے جو ملک سے باہر آچکے ہیں جب یہ نہیں تو مدد کو آنے والی قوت کا کام تھا کہ وہ اکثریت کی حمایت میں کھڑی ہوتی اور اس پر جبر کرنے والی اقلیت کو ملیامیٹ کر دیتی ورنہ دنیا کے ہر ملک میں کوئی نہ کوئی اقلیت باہر سے فوجی مدد طلب کر سکتی ہے۔

یہ جو بار بار غیر ملکی مداخلت کا نام لیا جاتا ہے، یہ بالکل خیالی سی بات معلوم ہوتی ہے۔ حفیظ اللہ امین کے دور تک، اور اس کے بعد بھی تاحال نہ تو امریکی یا چینی یا پاکستانی یا ایرانی مداخلت کاروں کو — دو چار سو کی تعداد میں نہ سہی — دس یا پانچ کی تعداد میں بھی عالمی پریس کے سامنے نہیں لایا جا سکا۔ کوئی غیر ملکی یا غیر روسی اسلحہ پیش نہیں کیا گیا۔ آخر یہ کیسی بیرونی مداخلت ہے؟ اگر بیرونی مداخلت سے مراد یہ ہے کہ چھاپہ مار عوام میں سے کچھ لوگ سرحدوں سے باہر جنگ کی تربیت پا کر آتے ہیں تو اوّل تو تربیتی اڈوں کی نشاندہی ہونی چاہیے تھی — خصوصاً پاکستان میں ایسے اڈوں کا وجود ثابت کرنا ضروری تھا کیونکہ پاکستان کے خلاف یہ الزام بار بار بیان کیا گیا ہے۔ اور اگر سرحدوں سے باہر سے اس نوعیت کی مداخلت ہو بھی رہی تھی کہ سو پچاس افراد کچھ تربیت لے آتے رہے ہوں تو اس معمولی سی صورتِ حالات سے یہ کیسے جائز ہوتا ہے کہ ایک لاکھ روسی فوج مع جدید ترین مہلک سازوسامان کے افغانستان میں داخل کر دی جائے۔ آخر کسی ملک کے نہتے اور غیر تربیت یافتہ عوام اقلیتی جبریت کے خلاف کیسے لڑیں؟

اور بھارت کی طرف سے تو پینترے بدل بدل کر جو بیان دیے گئے اُن میں روسی جارحیت کی حمایت یہ کہہ کر کی گئی ہے کہ چھاپہ ماروں کو تربیت دے کر دوسروں نے اس کا جواز پیدا کیا ہے۔

اگر ہم یہ قصہ بھول بھلا بھی دیں کہ ۱۹۷۱ء میں اندرا گاندھی حکومت کے تحت حق الاعلان چھاپہ مار وں کو تربیت دے کر سابق مشرقی پاکستان میں منظم طریق سے بھیجا جاتا رہا تھا، اور اس بیرونی مداخلت کی سزا ابھی بیرونی مداخلت کرنے والوں کو نہیں، بلکہ بیرونی مداخلت کرنے والوں نے اصل باشندوں اور اُن کی فوج کو دی تھی۔ اندرا گاندھی اپنے زورِ تدبر کے ساتھ یہ بتائیں کہ اگر لاکھوں بے سروسامان چھاپہ ماروں میں سے ایک ہزار نے بھی تربیت پائی ہو تو اُن کو تہس نہس کرنے کے لیے اوّل تو افغانستان کی اپنی فوج کم نہ تھی، اور اگر روسی فوج کی مدد درکار بھی تھی تو آخر ایک لاکھ کا لشکرِ جرار کس لیے؟

قدرتی طور پر جب کوئی فوجی جارحیت بہلانے ڈھونڈ کر کی جاتی ہے۔ اور فوج کی تعداد اور اسلحہ کی مقدار محض کسی ملک کے اندرونی قضیوں کو درست کرنے سے زیادہ ہوتی ہے تو یہی نتیجہ نکالا جاتا ہے کہ اصل مقصد کچھ اور ہے۔

اصل مقصد پہلے سے مختلف صورتوں میں بیان ہو چکا ہے۔ روس کو ایک تو ایران، عرب اور افریقی ممالک کے تیل کے خزانوں پر قبضہ کرنا ہے۔ دوسرے اُسے گرم سمندروں پر اقتدار چاہیے۔

یہ مقصد جہاں عربوں کے لیے واضح خطرہ سامنے لاتا ہے، وہاں پہلے درجے میں ایران اور پاکستان ایسے دو ملک سامنے آتے ہیں جو جغرافیائی سیاست کی حالیہ تبدیلی کے نتیجے میں دوسرا نشانہ بن سکتے ہیں۔

پاکستان میں روس نواز اشتراکی عناصر پچھلے عرصے میں کہتے پھر رہے ہیں کہ ہم افغانستان جیسا انقلاب پاکستان میں بھی لانا چاہتے ہیں، بلکہ بعض نے تو انفرادی طور پر مذاق مذاق میں اختلاف کرنے والے دوستوں سے کہہ دیا ہے کہ عنقریب ہم تمہیں پھانسیوں اور گولیوں کا لقمہ بنائیں گے۔

لیکن پاکستان ہو یا ایران، دونوں ملکوں میں اسلامی انقلاب کے بڑے شعوری اور ایمانی جذبات اس حد تک روبعمل آ چکے ہیں کہ دنیا کی کسی بھی بڑی طاقت کی جارحیت کے آگے مسلمان قومیں ناک رگڑنے پر تیار نہیں ہوں گی اگر افغانستان کے باشندے ایمان و غیرت کے بل پر شدید بے سروسامانی اور بے شمار جانی نقصانات کے باوجود مہینوں لڑ سکتے ہیں ــــــ اور جہاں وہ بالکل نہتے ہوں وہاں کلہاڑیوں اور لاٹھیوں اور چاقوؤں کا استعمال کر کے اپنی بیزاری کا اظہار کر سکتے ہیں، تو کوئی وجہ نہیں کہ پاکستان اور ایران کے مسلم باشندے اپنے ایمان و غیرت سے کام لے کر معرکہ آرا نہ ہوں۔ جو قوم سروں اور لاشوں کے پہاڑ کھڑے کرنے اور اپنے لہو کے

دریا بہا دینے پر تیار ہو جائے اس پر حملہ کرنے والے ان پہاڑوں اور دریاؤں کو پار نہیں کر سکتے۔

ضرورت پڑنے پر پاکستان کو اصلاً اپنے بل بوتے پر کھڑا ہونا چاہیے۔ ہماری فوج دنیا کی بہت اچھی فوج ہے۔ وہ اسلحہ اور سامان سے بھی بالکل تہی دامن نہیں۔ ہتھیاروں کی کمی بیشی کے باوجود لڑائی لڑی جا سکتی ہے ہماری اصل قوت ہمارا مقدس عقیدہ، نظریہ اور ہمارا ایمانِ مستحکم اور ہمارا جذبہ جہاد ہے۔ ایک بار حالات اس جذبے کو بیدار کر دیں تو پھر قلت سامان کوئی بڑا مسئلہ نہیں ہے ہم سامان بھی فراہم کر لیں گے اور بے سرو سامانی میں بھی کٹ مریں گے۔

غنیمت ہے کہ ہم اکیلے نہیں ہیں۔ روسی جارحیت کی زد میں آنے والی قوتیں بہت سی ہیں۔ عالم اسلام کو خطرے کا احساس ہو گیا ہے۔ اس کے ساتھ مغربی ممالک بھی چونک اٹھے ہیں چین بھی پہلے ہی سے چوکنا ہے وقت کے اس نئے چیلنج کا کامیابی سے سامنا کرنے کے لئے چند امور بے حد ضروری ہیں۔

۱۔ مخالف اسلام نظریات، خصوصاً مادہ پرستانہ اشتراکی تصورات کو اس کا موقع نہیں دیا جانا چاہیے کہ وہ ہمارے نوجوانوں کے دل و دماغ میں زہر پھیلا سکیں۔ ہماری صفوں کو پھاڑ سکیں، ہمارے علیحدگی پسندوں کو بھڑکائیں اور ہمارے نشری اور اشاعتی اداروں کو ہمارے خلاف استعمال کریں۔

۲۔ جہاد کے لیے جس مکمل اتحاد کا ہونا ضروری ہے۔ اس کے لیے سخت ضرر رساں وہ تفرقہ بازی ہے جو مسلمانوں کو آپس میں ہمیشہ پھاڑتی رہتی ہے، نمازیں الگ کراتی ہے، رشتے ختم کراتی ہے، تکفیری مہمات چلاتی ہے، حتیٰ کہ مسجدوں کو باقاعدہ حملے کر کر کے ان کو فتح کرتی رہتی ہے۔

مختلف گروہوں کے علماء کو جمع ہو کر اختلاف کی ایسی حدود طے کرنی چاہئیں اور پیروکاروں سے ان کی پابندی کرانے کا پروگرام بنانا چاہیے کہ اسلامی اخوت کو نقصان نہ پہنچے، اور قومی اتحاد روبعمل آ سکے۔ کہنے کو ہر کوئی اتحاد کے راگ الاپتا ہے مگر ہر مسلم کے لیے شرطِ محبت و اعتماد کو پورا نہیں کیا جاتا۔

۳۔ علاقائیت کی بنیاد پر علیحدگی پسندوں کے قلم و دہن سے اب تفرقہ کی کوئی بات نہیں نکلنی چاہیے۔

۴۔ رشوت، خیانت، تشدد، اور مختلف جرائم ایک عرصے سے زور پکڑ رہے ہیں۔ قانون اپنی جگہ ان کے خلاف پہلے سے زیادہ مضبوط کارروائی کرے، لیکن دوسری طرف ملک و قوم کی بقا اور دین و ایمان کے تحفظ کے لیے دردمندانہ اپیلیں کرتے ہوئے لوگوں سے درخواست کی جائے کہ وہ ان ہلاکت آفرین خرابیوں

سے کنارہ کش ہو جائیں۔

۵۔ خوش حال طبقوں کو تلقین کی جائے کہ وہ زندگی کو مسرفانہ مظاہروں سے خالی کریں، تاکہ اُن کی تقلید کر کے متوسط اور غریب شہری تباہ نہ ہوں۔ دولت پرستی کا چسکہ ختم کیا جائے۔ آرائشوں اور آسائشوں کی روک تھام کی جائے، اور قانونی طور پر زمین اور مکان سے لے کر گاڑیوں اور لباس تک، ہر دائرے میں "تحدیدات" نافذ کر دی جائیں۔ اس تحدی عمل میں قیادت پیش رو بنے اور نمونہ دے۔

۶۔ عمومی حیثیت میں ذرائع ابلاغ اور اخبارات اور سرکاری تقاریب کے ذریعے دیندارانہ زندگی اختیار کرنے پر لوگوں کو تیار کیا جائے۔ ربیع الاوّل کے مہینے میں لوگ حضورؐ کی محبت کا کم سے کم یہ مظاہرہ ضرور کریں کہ وہ نماز اختیار کر لیں۔

یہ تبدیلیاں جہاد کے لیے صحیح جذبات کو فروغ دینے کا باعث ہوں گی۔

ادھر امریکہ کے صدر کارٹر افغانستان میں روسی جارحیت کے خلاف بڑے زور سے متحرک ہوئے ہیں اور ساری دنیا کی رائے عام کو انہوں نے متحرک کر دیا ہے۔ امریکہ اور مغربی ممالک کے بڑے وسیع مفاد خطرے میں پڑ رہے ہیں اور روسی جارحیت کی ذرا سی مزید پیش قدمی انہیں مستقل طور پر عالمی اثر و رسوخ کے لحاظ سے پسپا کر دے گی۔

مگر امریکہ کی کچھ کمزوریاں بھی ہیں:-

۱۔ امریکہ (اور دوسرے مغربی ممالک) کے مدبرین اتنے کوتاہ نظر تھے کہ آج جو کچھ ہوا ہے وہ اس کا اندازہ دس برس پہلے نہیں کر سکے، حالانکہ اوسط سمجھ بوجھ کا آدمی بھی روس کی آئندہ ضروریات اور اس کے عزائم اور اقدامات کا نقشہ تیار کر سکتا ہے۔ افغانستان جب تباہ ہو گیا تو اُسے ہوش آئی۔ دس سال تو کیا، اگر دو سال پہلے بھی امریکی قیادت یہ اندازہ کر سکتی تو وہ ایران اور پاکستان اور ترکی کے ساتھ اپنے تعلقات خراب کرنے سے ہر قیمت پر احتراز کرتی۔ انہی تعلقات کی خرابی نے روس کو بہترین موقع فراہم کیا ہے۔

۲۔ روس کی دوسری زیادتیاں ——— خواہ وہ ارٹریا اور صومالیہ کے مسلمانوں کے خلاف حکومتوں کی فوجی مدد کی صورت میں ہوں یا جنوبی یمن میں اشتراکی اڈا بنانے کی صورت میں ——— امریکہ کو ذرا بھی احساس نہیں دلا سکیں۔ بات جب آخری مرحلے پر آ پہنچی تو اب وہ چونکا ہے۔

۳۔ امریکہ کے آسائش پرست لوگ اپنی سرحدوں سے باہر جنگ ویت نام کے بعد کوئی لڑائی لڑنے کے

قابل نہیں ہیں اور نہ وہ افغانستان کو روسی جارحیت سے بچانے کے لیے روس کی طرح بطورِ خود کوئی کارروائی کر سکتے ہیں۔ وہ چاہتے ہیں کہ اپنی لڑائی دوسروں سے لڑوائیں۔ خود امریکہ کے اندر بھی وہ مشینوں کے ذریعے لڑائی لڑ سکتے ہیں۔ جس کے بٹن دبانے سے زیادہ انہیں کچھ نہ کرنا پڑے۔ میرے نزدیک مستقبل میں امریکہ بین الاقوامی دائرے میں براہِ راست کوئی مؤثر فوجی اقدام کبھی نہیں کر سکتا۔ روسی سپرپاور کے مقابلے میں امریکی سپرپاور کی یہ بھاری کمزوری ہے۔

اگر یہ کمزوری نہ ہوتی تو ویت نام میں ذلت آمیز پسپائی کے جو دھبے امریکہ کے دامن پہ لگے تھے۔ انہیں وہ افغانستان میں بآرام دھو سکتا تھا۔ کیونکہ ویت نامی عوام کے بخلاف افغانستان کے عوام کی بھاری اکثریت اُس کے ساتھ ہوتی۔

۴۔ امریکہ کسی حال میں نہ خفیہ فیصلے کر سکتا ہے، نہ فوری اقدام۔ صدر، سینیٹ، کانگریس، پریس، رائے عام سب کو ہم آہنگ کرتے کرتے اتنا وقت گزر جاتا ہے کہ کوئی بات ہو بھی تو بعد از وقت ہوتی ہے۔ "جیسے کو تیسا" کے اصول پر کچھ نہیں ہو سکتا۔ سرے سے یہاں کوئی ایسی صورت قابلِ تصور نہیں ہے کہ جس طرح اچانک روس کی فوج افغانستان میں داخل ہو گئی تھی۔ امریکہ بھی اچانک کوئی فوری حرکت کر کے روس اور تمام دنیا کو چکر میں ڈال دیتا۔

مزید خرابی یہ ہے کہ صدارتی انتخابات سر پر ہیں اور صدر کارٹر کو ہر بات تول کر کہنی ہوتی ہے کہ کیا فیصلہ کس حد تک ووٹروں کو پسند ہو گا۔ دنیا میں کچھ ہو جائے اس وقت تو امریکی ووٹروں کا لحاظ ہر چیز سے برتر ہے۔ روس کو ایسا کوئی الجھاؤ نہیں ہے۔

۵۔ امریکہ کے خلاف زیرِ گفتگو خطے میں ــــــ یعنی عالمِ اسلام، افریقی ممالک اور جنوب مغربی ایشیا (برصغیر) میں عام رائے اچھی نہیں ہے، بلکہ ہر ملک یہ محسوس کرتا ہے کہ امریکہ سے تعلق رکھنا اس کے لئے باعثِ رسوائی ہو گا۔ خاص طور پہ پاکستان اور امریکہ کے درمیان بے اعتمادی کی فضا عرصے سے موجود ہے۔

۶۔ متذکرہ وجوہ سے امریکہ کوئی مؤثر کارروائی کرنے کے لئے دوسری قوتوں کے ساتھ ایک طرح کا متحدہ محاذ بنانے پہ مجبور رہے۔ اس پہلو سے بلاشبہ اس کی کامیابی حیران کن ہے کہ مجموعی طور پہ عالمی رائے عام کو اس نے تیزی سے روس کے خلاف متحرک کر دیا ہے، نیز مغربی ممالک، اسلامی ممالک اور جاپان، آسٹریلیا اور چین وغیرہ اس کا ساتھ دے رہے ہیں۔ لیکن مشکل یہ ہے کہ (باقی بر صفحہ ۴۴)